Volume 03, Issue 01,
January-March 2025
PP: 11-23
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

# منٹو کے افسانے تحلیل نفسی کے آئینے میں

# Manto's Short Stories: In the Mirror of Psychoanalysis

**Tahira Irshad Qazi [1] Dr. Tahir Abbas [2]**

*Article History*

*Received*
05-01-2025

*Accepted*
20-01-2025

*Published*
25-01-2025

*Abstract & Indexing*

## Abstract

*Saʿādat Ḥasan Manṭo, a celebrated short story writer of Urdu literature, masterfully delves into the intricate layers of human psyche through his vivid and thought-provoking narratives. His short stories often address controversial social taboos and their deep-seated psychological impact on individuals and society as a whole. By portraying characters burdened with unconscious desires, fears, and societal pressures, Manṭo highlights their use of defence mechanisms to navigate anxieties and internal conflicts. Manṭo's exploration extends to psychosexual development, fixation at various stages, and the manifestation of psychological disorders. His characters reflect complex inner worlds, necessitating psychoanalytic inquiry to uncover hidden dimensions of their personalities, including prominent complexes like Oedipus, inferiority, and superiority. Through his storytelling, Manṭo effectively captures the collective unconscious and archetypes embedded in the socio-cultural fabric of the subcontinent. His stories transcend mere entertainment, offering a profound critique of the societal norms and their impact on human behaviour and mental health. The vividness and depth of his characters make his work indispensable for understanding the intricate interplay between individual psychology and societal constructs. This article critically examines Manṭo's characters in light of psychoanalytic theory, particularly focusing on the ideas of Sigmund Freud, Carl Jung, and Alfred Adler. By applying these frameworks, the study seeks to provide a nuanced understanding of Manṭo's work, emphasizing its relevance in exploring the complexities of human nature and societal dynamics.*

## Keywords

*Saʿādat Ḥasan Manṭo, Psychoanalysis, Social Taboos, Unconscious Desires, Defence Mechanisms, Psychosexual Development, Fixation, Oedipus Complex.*

[1] *PhD Scholar, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur.*
tahiraqazi321@gmail.com
[2] *Associate Professor, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur.*
tahir.abbas@iub.edu.pk

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

OPEN ACCESS

تحلیل نفسی اس طریقہ علاج کا نام ہے جسے اعصابی مریضوں کے علاج کے لیے ان کے لاشعور کی تفہیم پر استوار کیا گیا۔ تحلیل نفسی کا آغاز اس وقت ہوا جب سگمنڈ فرائیڈ نے جوزف برائر کے ساتھ مل کر ہسٹیریا کی ایک مریضہ کا علاج کیا۔ فرائیڈ نے دوران علاج یہ دریافت کیا کہ ہسٹیریا کی بیماری اس خاتون کے ساتھ بچپن میں ہونے والی جنسی زیادتی کے باعث ظاہر ہوئی۔ اس حادثے نے مریضہ کے لاشعور میں اپنی مستقل جگہ بنالی اور بعد میں ہسٹیریا کی صورت اپنا آپ ظاہر کیا۔ فرائڈ اس واقعے کو مریضہ کی شعوری سطح پر لائے اور ماضی کے تلخ تجربوں اور جنسی ناآسودگی کو شعوری سطح پر قبول کرنے میں مدد فراہم کی۔ جس سے مریضہ تندرست ہوگئی۔ اس مریضہ کے کامیاب علاج کے بعد سگمنڈ فرائڈ نے اپنے طریقہ علاج کی باقاعدہ ترویج شروع کی۔ جب بعد میں کارل یونگ اور الفریڈ ایڈلر جیسے ماہرین نفسیات میسر آئے تو وقت کے ساتھ تحلیل نفسی ایک فکری اور ثقافتی تحریک بن کر اُبھری اور آج تحلیل نفسی سگمنڈ فرائڈ کے نظریات، اس کے شاگردوں کے نظریات کے ساتھ ساتھ تحلیل نفسی سے انحراف کرنے والے ماہرین کے نظریات پر مبنی ہے۔

تحلیل نفسی انسان کی خارجی باتوں سے گزرتے ہوئے اس کے باطن تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور انسان کی شخصیت کے مختلف پردوں میں حقیقتوں کی جستجو کرتی ہے۔ تحلیل نفسی کا زیادہ زور انسان کی لاشعوری خواہشات کی عدم تکمیل سے پیدا ہونے والے مسائل پر رہتا ہے۔ سگمنڈ فرائڈ نے انسانی ذہن کو شعور، تحت الشعور اور لاشعور میں جبکہ فرد کی شخصیت کو تین خانوں اڈ، ایگو اور سپر ایگو میں تقسیم کر کے پیش کیا۔ فرائڈ کے دوسرے معروف اور قابل اطلاق نظریات میں نظریہ جبلت حیات و مرگ اور تشویش سے بچاؤ کے لیے دفاعی مکانیتی نظام ہیں۔ اس کے علاوہ سگمنڈ فرائڈ کا ایک بڑا کام لاشعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے لیے خوابوں کی تفہیم کا ہے۔ سگمنڈ فرائڈ کے شاگرد کارل یونگ نے پہلے پہل سگمنڈ فرائڈ کے نظریہ لاشعور کی پیروی کرتے ہوئے تحلیل نفسی کو مضبوطی بخشی۔ لیکن بعد میں اپنے ذاتی نظریات پیش کیے، جن میں نظریہ ذاتی لاشعور، اجتماعی لاشعور اور آر کی ٹائپس قابل قدر ہیں۔ الفریڈ ایڈلر کا نظریہ احساس کمتری اور احساس برتری کے ساتھ ساتھ معاشرے اور خاندان کے فرد کی شخصیت پر اثرات تحلیل نفسی کے نظریات میں اہمیت کے حامل ہیں۔ الفریڈ ایڈلر نے فرد کی شخصیت میں پیدائش کی ترتیب کو بہت اہم گردانا ہے۔ تحلیل نفسی کے نظریہ جنس کو معتوب ٹھہرایا گیا لیکن آج بھی تمام مکاتیب فکر تحلیل نفسی کے نظریات سے خوشہ چینی میں مصروف عمل ہیں۔ فرائیڈ کا طریقہ علاج آج بھی کئی نفسیاتی عارضوں کے لیے کارگر ہے۔ منٹو نے باقاعدہ کسی بھی ماہر نفسیات کو نہ پڑھا لیکن جس انداز میں اپنے کرداروں کے باطن میں جھانکتے ہوئے ان کے شعور و لاشعور کی تفہیم قاری کو فراہم کرتے ہیں، ان پر ماہر نفسیات ہونے کا گماں گزرتا ہے۔ افسانوں کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ منٹو کے افسانوی کردار تحلیل نفسی کے آرزومند ہیں۔

منٹو کے ہاں ہمیں جہاں فن افسانہ نگاری کا عروج ملتا ہے۔ کہانی، پلاٹ و کردار، اختصار و ایجاز تمام خصوصیات ان کے افسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہیں موضوعات اور کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جنسی و نفسیاتی موضوعات پر کہانی بنتے ان کے کردار حقیقی زندگی سے لیے گئے ہیں۔ منٹو اپنے افسانوں میں جنس سے جڑے جذبات اور ان کے دبائے جانے سے ہونے والے نقصانات کو ایک ماہر تحلیل نفسی کی طرح پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ایک خط اور اس کے جواب میں سگمنڈ فرائڈ کے نظریہ جنسی نشوونما سے ملتا جلتا خیال ظاہر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنس کا احساس صرف بالغ آدمیوں ہی میں نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے بچوں میں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق تفصیل سے کچھ کہنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ اردو زبان اس کی متحمل نہیں ہوگی۔

ان کے افسانوی کردار بچپن، آغاز بلوغت، بلوغت اور شادی شدہ زندگی میں فطری ضرورتوں، جسمانی تبدیلیوں اور طبعی ہیجانات کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ سگمنڈ فرائڈ کے نظریات کو من و عن بیان کرتے ان کے کردار کچھ اہم سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ مثلاً اڈ اور لبیڈو کی طاقت کس قدر اثر انگیز ہو سکتی ہے۔ انسان فطری جنسی تقاضوں کے سامنے کس قدر بے بس ہے۔ ان تقاضوں سے دوری اختیار کرنے کا

نقصان نفسیاتی عوارض کی صورت بھگتنا کتنا مشکل ہے۔ منٹو کے ہم عصر ادیبوں اور ناقدین نے ان کے افسانوی موضوعات اور کرداروں پر انگلیاں اُٹھائیں۔ ان کو پست اور فحش قرار دیا، لیکن منٹو نے اپنے افسانوں میں حقیقی زندگی سے لیے گئے کرداروں کو ان کے شیڈو سے الگ کر کے پیش کیا۔ ہمیں ان کی وہ صورت دکھائی جو وہ دنیا سے چھپاتے ہیں۔ ہر کردار کا وہ روپ پیش کیا جو فطرت کے نزدیک ترین ہے۔ جس پر کوئی ملمع یا نقاب نہیں چڑھایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب منٹو نے اپنے ہم عصر ادیبوں کو جواباً لکھا:

> میری تحریر میں کوئی نقص نہیں جس نقص کو میرے نام سے منسوب کیا جاتا ہے، دراصل موجودہ نظام کا نقص ہے۔ میں ہنگامہ پسند نہیں میں لوگوں کے خیالات و جذبات میں ہیجان پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ میں تہذیب و تمدن اور سوسائٹی کی چولی کیا اُتاروں گا جو ہے ہی ننگی۔ میں اسے کپڑے پہنانے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ [1]

منٹو نے انسان کی خارجیت کی بجائے داخلی حقیقتوں کے ساتھ اپنے افسانوی کرداروں کی ضرورتوں کو پیش کیا ہے۔ منٹو نے تعصب سے پاک کردار پیش کیے، انہیں اچھا برا، نیک و بد ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ کوئی سوال اُٹھایا نہ ہی پابندی لگائی۔ اس نے انسان کو اصلی حالت میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ اس نے جو دیکھا، سنا، محسوس کیا، سوچا اسے نہایت جرات مندی سے پیش کر دیا۔ شمیم حنفی منٹو کی اس جرات و بے باکی پر لکھتے ہیں:

> منٹو نے کبھی ایسے جذبے کی نمائش نہ کی جو اس کے تجربے کی شاخ سے ایک کونپل کی طرح بغیر کسی تصنع اور غوں غاں کے اپنے آپ ہی نمودار نہ ہوا ہو۔ اس بات سے اسے قطعاً سروکار نہ تھا کہ کسی مخصوص تجربے یا واردات کی طرف بھلے مانسوں کا جذباتی رویہ کیا ہوتا ہے یا کیا ہونا چاہیے۔ [2]

عبادت بریلوی منٹو کے نفسیات شناس ہونے پر ان کی تحسین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ منٹو کے افسانوی قصوں کو نفسیاتی حقیقتوں کا بیان گردانتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> منٹو انسانی نفسیات کا گہرا نباض ہے۔ اس کی ہر کہانی کو یہی نفسیاتی شعور حقیقت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی میں اس نے کسی نہ کسی اہم نفسیاتی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، بعض افسانے تو اس نے ایسے لکھے ہیں جن کی بنیاد تو کسی نفسیاتی حقیقت پر نہیں رکھی گئی لیکن ان میں قدم قدم پر نفسیاتی حقائق کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ [3]

منٹو نے چاہے کسی ماہر نفسیات کے نظریات کو براہ راست نہیں پڑھا اور نہ ہی نفسیاتی موضوعات کو سوچ سمجھ کر اپنے افسانوں میں برتا ہے۔ لیکن جس انداز میں منٹو کرداروں کے باطن کے ذریعے نفسیاتی معاملات بیان کرتے ہیں، وہ انداز انہیں منفرد مقام عطاء کرتا ہے اور ان پر ماہر نفسیات ہونے کا گماں نہیں یقین ہو جاتا ہے۔ ان کے افسانے شعور و لاشعور کی کشمکش، فطری و جبلتی ضروریات، ان کے اظہار پر معاشرتی و اخلاقی پابندیوں کے نتائج کی کہانیاں ہیں۔ اس لیے منٹو پر الزام لگایا گیا کہ ان کے افسانے عورت اور جنس کے گرد گھومتے ہیں۔ منٹو کے زمانے میں عورت اور جنس پر لکھنا ٹیبو تصور کیا جاتا تھا اور منٹو کی فطرت میں روایت سے ہٹ کر چلنے کا آہنی عزم و حوصلہ شامل تھا۔ اس لیے معاشرتی ٹیبوز پر کھل کر اپنے قلم کو ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔

منٹو کی جنسی نفسیات نگاری کے متعلق ایس اشرف الدین اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> منٹو سے ناراضگی اور نفرت کا سبب شاید یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض افسانوں کا تعلق جنسیات سے بھی ہے، جو سماج میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم نفسیات کی روشنی میں منٹو کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی شخصیت کھل کر واضح ہو جاتی

ہے کہ وہ اردو افسانے کو اس ڈگر پر لے جا رہا تھا جہاں سماجی حقیقت نگاری کا دائرہ وسیع ہو کر نفسیاتی حدوں میں داخل ہوتا ہے۔[4]

یہ حقیقت ہے کہ منٹو کے بیشتر افسانے طوائفوں، دلالوں اور معاشرے کے پست طبقے کی کہانیاں ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ منٹو نے باقی طبقوں کو نظر انداز کر دیا ہو۔ ہمیں ان کے افسانوں میں شادی شدہ جوڑے، ماں بیٹا، بہن بھائی، سہیلیاں، دوست، پاگل، مجبور اور خوش و خرم اعلیٰ طبقہ کے کردار بھی ملتے ہیں۔ منٹو کے جو کردار عام اور نچلے طبقے سے لیے گئے ہیں وہ عام انداز سے سامنے نہیں آئے۔ ان کا ہر کردار کسی کمی بیشی، ٹیڑھ پن اور انوکھی بات لیے الگ رنگ ڈھنگ میں ملتا ہے۔ اس لیے آج منٹو کو جدید افسانہ نگار مانا جا رہا ہے۔ منٹو کی جدت پسند سوچ ان کی اس تحریر سے عیاں ہو رہی ہے:

> کسی لڑکے کو لڑکی سے عشق ہو جائے تو میں اسے زکام کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتا، مگر وہ لڑکا میری توجہ کو ضرور کھینچے گا جو ظاہر کرے کہ اس پر سینکڑوں لڑکیاں جان دیتی ہیں۔ لیکن در حقیقت وہ محبت کا اتنا ہی بھوکا ہوتا ہے جتنا بنگال کا فاقہ زدہ باشندہ۔ چکی پیسنے والی عورت جو دن بھر کام کرتی ہے اور رات کو اطمینان سے سو جاتی ہے، وہ میرے افسانوں کی ہیروئن نہیں ہو سکتی۔[5]

اس لیے روایتی خیالات کے کردار منٹو کے افسانوں میں جگہ نہیں پا سکتے۔ اس کے کردار ٹیڑھی لکیریں ہیں۔ معاشرے کی اقدار کا باغی انسان منٹو کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ منٹو کے اپنے الفاظ کے مطابق:

> اس کے بھاری پپوٹے جن پر برسوں کی اچٹی ہوئی نیندیں منجمد ہو گئی ہیں۔ میرے افسانوں کا موضوع بن سکتے ہیں اس کی غلاظت، اس کا چڑچڑاپن، اس کی گالیاں۔ یہ سب مجھے بھاتی ہیں میں ان کے متعلق لکھتا ہوں اور گھریلو عورتوں کی شستہ کلامیوں، ان کی صحت اور ان کی نفاست پسندی کو نظر انداز کر جاتا ہوں۔[6]

منٹو کے ان گنت افسانے انسان کے فطری جذبوں کے عکاس ہیں اور منٹو ان جذبوں کے فطری اظہار پر کوئی پابندی لگانے کے حامی نہیں۔ ان کے مطابق ہر فرد منفرد نفسیات کا حامل ہے، جسے اپنی سوچ اور من مرضی سے جینے کا حق ہے۔ منٹو کے افسانے انسانی نفسیات اور فطرت کا سچا بیان ہیں۔

افسانہ "ٹیڑھی لکیر" میں منٹو نے خالص فطری انسان کا روپ دکھایا ہے۔ جس میں جذبات کی حرارت ہے، بچوں کی سی معصومیت ہے، لیکن شادی کے بعد بیوی کو اغواء کر کے لے جانے کا عمل بغاوت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جرات و بیباکی اس افسانے کے مرکزی کردار کے ہتھیار ہیں۔ جب اس کی ذات کے متعلق سوال اُبھرتا ہے تو منٹو اس کردار کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

> یہ کیا بات ہے کہ بعض اوقات میں تم سے نفرت کرنے لگتا ہوں اور اس نے مجھے یہ جواب دے کے مطمئن کر دیا تھا کہ تمہارا دل جو میری محبت سے بھرا ہوا ہے ایک ہی چیز کو بار بار دیکھ کر کبھی کبھی تنگ آ جاتا ہے اور کسی دوسری شے کی خواہش کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر اگر تم مجھ سے کبھی کبھی نفرت نہ کرو تو مجھ سے ہمیشہ محبت بھی نہیں کر سکتے۔ انسان اس قسم کی الجھنوں کا مجموعہ ہے۔[7]

منٹو نے اپنے اس کردار کو انفرادیت پسند، انوکھا کرنے کی دھن رکھنے والے کے طور پر دکھایا۔ افسانے کا آغاز اس جرات مند اور منفرد کردار کا خوبصورت تعارف ہے:

اگر سڑک سیدھی ہو بالکل سیدھی تو اس پر اس کے قدم منوں بھاری ہو جاتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا یہ زندگی کے خلاف ہے جو پیچ در پیچ راستوں سے بھری ہے۔ جب ہم دونوں سیر کو نکلتے ہیں تو اس دوران میں بھی اور وہ بھی کبھی سیدھے راستے پر نہ چلتا۔ اسے باغ کا وہ کونہ پسند تھا جہاں لہراتی ہوئی روشیں بنی ہوتی تھیں۔ [8]

منٹو کا یہ کردار جو اپنے دوست عباس سے محو گفتگو ہے، منفرد ہونے کے ساتھ مساکیت پسند بھی ہے۔ اسے اپنے جسم پر زخم اچھے لگتے ہیں۔ کہا کرتا کہ اگر کوئی زخم جسم پہ ہمیشہ کے لیے بن جائے تو کتنا مزہ آئے۔ ایک مرتبہ بلیڈ سے اپنا بازو اس لیے زخمی کر لیتا ہے تاکہ کچھ روز اسے درد کی لذت ملتی رہے۔ جب کبھی بخار ہوتا ہے تو دوا لینے یا ٹیکا لگوانے میں سستی کرتا ہے کہ بخار جلد نہ اُتر جائے۔ اس کی کوشش رہتی ہے کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ اس بخار میں تپتا رہے۔ اسی طرح جب شادی کا ارادہ کرتا ہے تو بھی اپنی انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ خلاف توقع اپنے دوست عباس کو اچانک نکاح کی خبر دیتا ہے، حالانکہ ہمیشہ سے اس کا خیال رہا ہے کہ مولوی حضرات اپنی حرص پوری کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی کشتیاں لڑتا دیکھنا پسند کرتے ہیں، اس لیے لڑکی اور لڑکے کو رشتہ ازدواج میں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن اب وہ اپنے خیالات کے متضاد اپنے دوست کو اپنی شادی کی خواہش سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر وہی مولوی اس کا نکاح پڑھاتا ہے جسے وہ ماضی قریب میں ناپسندیدگی سے بوڑھا طوطا کہتا آیا ہے۔ غرض اس کردار کی سب باتیں انہونی ہیں۔ وہ اپنے اصول و مؤقف سے ہٹ کر سب کر رہا ہے۔ منٹو کے افسانے کا اختتام بھی اس کے زمانے سے ہٹ کر کچھ کرنے کی طبیعت کو آشکار کرتا ہے۔ منٹو لکھتے ہیں:

بات یہ ہے کہ مجھے اپنی بیوی سے عشق ہو گیا ہے اور کل رات میں اسے بھگا کر اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں اور وہ تیار ہو گئی ہے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ [9]

منٹو انسان کے اندر غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اس کی ذہنی پیچیدگیوں کا ادراک حاصل کرتے ہیں اور یہی ذہنی اور نفسیاتی اُلجھنیں ان کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔ مثلاً منٹو کے بہت سے افسانوں پر جنس زدہ ہونے کے الزامات لگائے گئے لیکن منٹو نے جنس کی قوت کے فطری اظہار پر پابندیوں کے نتائج پر افسانے لکھے۔ منٹو نے جنسی جبلت کو ایک حقیقت کے طور پر پیش کیا جس سے فرار ناممکن ہے۔ منٹو نے بہت سادہ انداز میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ جنسی جذبوں کو غیر فطری طریقے سے دبانے پر اذیت ناک نتائج بھگتنا پڑتے ہیں۔ ہمارے نام نہاد تہذیب و تمدن ہر وقت انسان کو مکمل ہوش و حواس کے ساتھ خوش و خرم دیکھنا چاہتے ہیں، جبکہ انسان کے اندر مختلف وجوہات کی بنا پر شکست و ریخت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں انسان کے دونوں روپ پیش کیے ہیں۔ ایسے کردار جو اپنے لاشعور کا سامنا نہیں کر پاتے اور شخصی طور پر ابنارملٹی کا شکار ہو کر اپنی زندگی تباہ کر لیتے ہیں اور ایسے کردار بھی ہمیں ان کے ہاں ملتے ہیں جو معاشرتی مطالبوں کو تو پورا کرتے ہیں لیکن اندر سے گھٹے ہوئے ہیں۔ یہ کردار بظاہر ایک مکمل کامیاب فرد کی صورت نظر آتے ہیں لیکن باطنی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔

منٹو نے فرائڈ کی طرح اپنے افسانوی کرداروں کے لاشعوری محرکات کا جائزہ لیا ہے۔ افسانہ "پانچ دن کا پروفیسر" میں پروفیسر ایسا کردار ہے کہ جس نے تمام عمر فطری جذبات کا قتل کیا، عورت مرد کے فطری رشتے سے انکار کرتا رہا اور عورت کو صرف ماں، بہن اور بیٹی کی طرح تکریم دیتا ہے۔ عورت کے قرب کی فطری خواہش کو غیر فطری انداز میں دبانے پر مجبور پروفیسر کو جب خواہشات کے اظہار کا موقع میسر آتا ہے تو وہ تمام اخلاقی و معاشرتی اقدار کو پامال کرتے ہوئے نوجوان لڑکی سکینہ کی عصمت اور پاکیزگی سے کھیل کر اپنے جنسی جذبوں کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ منٹو پروفیسر کی زبانی لکھتے ہیں:

میں مر رہا ہوں لیکن اس موت کا مجھے دکھ نہیں کیونکہ یہ بہت سی موتیں میرے اندر واقع ہو چکی ہیں۔ تم سننا چاہتی ہو، میری داستان جاننا چاہتی ہو، میں کیا ہوں۔ سنو! ایک جھوٹ ہوں بہت بڑا جھوٹ۔ میری ساری زندگی اپنے آپ سے جھوٹ بولنے اور پھر اسے سچ بنانے میں گزری ہے۔ [10]

پروفیسر نے جس طرح معاشرے میں اپنا بھرم قائم رکھنے کی خاطر پھیکی زندگی گزاری ہے۔ لیکن آخری وقت پر ہر شے کو پس پشت ڈال کر مذہبی تعلیمات اور اخلاقیات سے ماوراء قدم اُٹھایا ہے، ایسی معاشرت اور تہذیب کے متعلق سگمنڈ فرائڈ نے بھی کہا تھا کہ ایسی تہذیب و تمدن بیکار ہے جو انسان کو فطری تقاضوں سے دور رکھے۔ ہر زمانے میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد تہذیب و تمدن کی طے کردہ روایات واقدار اور اصولوں سے غیر مطمئن ہے۔ ایسے لوگ یا تو تمدن کو بدلنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں یا پھر اس سے ایسے متنفر ہو جاتے ہیں کہ اس کی پرواہ کیے بغیر اس کے طے شدہ ضابطے توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اپنی جبلی تقاضوں کی آزادانہ تسکین چاہتے ہیں۔ ممتاز شیریں نے بھی اسی زاویہ نظر سے لکھا تھا:

فطری جبلتوں کو جب بندشوں سے روکا جاتا ہے اور وہ بندشوں کو توڑ کر باہر نکل آتی ہیں تو جنسی زندگی میں افرا تفری اور بے راہ روی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ اخلاقی بندشیں انسان کو گناہ سے بچانے کی بجائے گناہ کی پستیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔ [11]

افسانہ "ڈارلنگ"، "مس فریا" اور "مس ایڈنا جیکسن" میں بھی منٹو نے اس حقیقت کو آشکار کیا کہ جتنا فطری خواہشات کو دبایا جاتا ہے یہ اسی شدت و طاقت سے اپنا اظہار چاہتی ہیں۔ فطری جذبوں کو نکاس کا مناسب راستہ نہ ملے تو وہ سیلاب کی مانند ہر شے کو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہیں۔ انسان اپنے جذبات کو نظر انداز کر کے جتنا نارمل نظر آنے کی کوشش کرتا ہے، اتنا ہی اس کا کردار و شخصیت ابنارملٹی کی جانب سفر کرتے ہیں۔ مس ایڈنا جیکسن کالج پرنسپل بھی اپنی شاگرد طاہرہ کی محبت بھری کہانی میں دلچسپی لیتی ہے۔ ایڈنا جیکسن چونکہ تمام عمر محبت سے محروم رہی، اس کی لاشعوری خواہش تھی کہ کوئی اسے بھی اس حد تک چاہے۔ جب طاہرہ اور لطیف میں صلح کرانے کے لیے مس ایڈنا نے لطیف کو گھر پر مدعو کیا، تو اس کی چاہے جانے اور شادی کی لاشعوری خواہش نے ہسٹیریا کے دورے کی صورت میں اپنا اظہار کیا۔

مس ایڈنا کی حالت پر غور کیا جائے تو یہ دورہ بہت سالوں تک جنسی جذبوں کو دبائے رکھنے کے باعث ہوا۔ لطیف کے سامنے یہ جذبے ہسٹیریا کی صورت اپنا اظہار کر گئے۔ لطیف اور مس ایڈنا جیکسن کی شادی اس افسانے کا اختتام ہے، جس کے ذریعے منٹو نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مس ایڈنا جیکسن کو لطیف جیسے شخص کی زیادہ ضرورت تھی۔ وہ پچاس سال کی ہو چکی تھی اور اتنے عرصے سے لبیڈو کی طاقت کو دبا رہی تھی جو کہ غیر فطری اور ظالمانہ عمل تھا۔ مس ایڈنا جیکسن کے لاشعور نے پہلے طاہرہ کی محبت کی کہانی میں دلچسپی ظاہر کی اور پھر اس کے بعد اس کے محبوب استاد سے شادی کر کے محرومی سے نجات دلائی۔

مس فریا منٹو کے تصور عورت اور تصور انسان کا نمائندہ کردار ہے۔ منٹو کے مطابق انسان کے بنیادی جذبے وہی ہیں جو اس کے جد امجد کے ہیں۔ وہ عورت اور مرد کے جذبات کی تفریق کے قائل نہیں نظر آتے۔ مس فریا منٹو کا فطری انسان ہے جو جبلتوں کا آزادانہ اظہار چاہتا ہے، لیکن تہذیب و تمدن کی قیود اور اخلاقی پابندیاں اسے فطری انسان سے دور لے جا کر گھٹن اور کج روی کا شکار کر دیتی ہیں۔ افسانے میں مردانہ کردار سہیل شادی کے بعد جنسی جذبوں کی تکمیل سے خوش ہے لیکن اولاد کی آمد سے خوفزدہ ہے۔

نرس مس فریا جو اپنے جذبوں کا گلا گھونٹے دن رات مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ سہیل کو نظر انداز کرتی ہے، آخر کار سہیل اس کے اندر کی عورت کو باہر نکال لاتا ہے۔ منٹو بہت انوکھے انداز سے مس فریا کا روپ قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

"مس فریا نے تھوک نگل کر کہا: کیا شادی واقعی اچھی چیز ہے؟"

"بہت ہی اچھی چیز ہے۔۔۔میں تو کہتا ہوں کہ تم بھی شادی کر لو۔"

فریا کے ہونٹوں پر کھسیانی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اس کے ہونٹ کچھ اس انداز سے باتیں کرتے وقت کھل رہے تھے کہ سہیل کو محسوس ہوا کہ فریا کے چہرے پر منہ کی بجائے ایک زخم ہے جس کے ٹانکے اُدھڑ رہے ہیں۔[12]

جنسی قوت اس قدر منہ زور ہو سکتی ہے کہ تمام تر مذہبی و اخلاقی اقدار کو بھی پامال کر سکتی ہے۔ زنا بالمحرم ہمارے معاشرے میں ٹیبو کا درجہ رکھتا ہے جس پر بات کرنے لکھنے سے زبان کے جل جانے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ منٹو نے اس کے محرکات اور نفسیاتی اثرات پر کمال دلیری سے قلم اُٹھایا۔ نفسیات کے مطابق سماجی اور ثقافتی ممنوعات ٹیبو کا درجہ رکھتے ہیں۔ عمومی طور پر ٹیبو یا پابندیاں مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی روایات سے جڑی ہوتی ہیں۔ عام آدمی ان پابندیوں کا پابند تصور کیا جاتا ہے۔ انحراف کی صورت میں معاشرہ اسے مسائل اور مصائب سے دوچار کرتا ہے۔ ٹیبو کسی بھی معاشرے میں قانون کا درجہ پالیتے ہیں۔ ان پر عمل یا کسی بھی قسم کا اظہار برائی اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ لاشعور ایسے ٹیبوز پر عمل کرنے کی شدید ترین خواہش رکھتا ہے۔ منٹو نے ان ممنوعہ موضوعات پر قلم اُٹھانے کی جرات کی۔ جنس پرستی، ہم جنس پرستی اور ان پر اظہار خیال بہت سے معاشروں کی طرح برصغیر میں بھی ممنوع تصور کیے جاتے تھی اور آج تک یہی صورتحال موجود ہے۔

منٹو کا افسانہ "اللہ دتا" اس ممنوعہ موضوع پر لکھا گیا افسانہ ہے۔ جہاں اللہ دتا اپنی بیوی کی وفات کے بعد بیوہ بیٹی سے جنسی مراسم قائم کر لیتا ہے۔ بیٹی کے بعد جب اپنی بہو صغریٰ کو گھر لاتا ہے تو اسے بھی شکار کرنے کی کوشش میں مصروف عمل نظر آتا ہے۔ بیٹی اپنے باپ کے خیالات اور اعمال دیکھ کر جس ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہے اسے منٹو یوں لکھتے ہیں:

کیا ایک کافی نہیں تھی۔ تمہیں تو شرم نہ آئی پر اب تو آنی چاہیے تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسا ہی ہو گا اس لیے میں اس شادی کے خلاف تھی۔ اب سن لو کہ صغریٰ اس گھر میں نہیں رہے گی۔ میں اس گھر میں اپنی سوت نہیں دیکھنا چاہتی۔[13]

افسانہ "کتاب کا خلاصہ" بھی ایسے ہی موضوع پر لکھا گیا ہے۔ جہاں انسانیت کا بھرم ٹوٹتا ہے۔ ایک باپ اپنی معصوم بیٹی بملا سے زبردستی جنسی تعلق قائم کرتا ہے۔ بملا کی بے بسی اور نوزائیدہ بچے کی پیدائش اور موت سے ہمارے معاشرتی اصولوں اور روایات کی کھوکھلی عمارت ڈھے جاتی ہے۔ بملا کا باپ معاشرے میں اپنا بھرم قائم رکھنے کی خاطر شادی نہیں کرتا لیکن جنس کا منہ زور گھوڑا چونکہ بے لگام ہوتا ہے۔ اس لیے خواہش کی شدت نے محرم رشتے کو بھی پامال کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔

منٹو کے افسانے جہاں نفسیاتی حقیقت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں وہیں منٹو کا قلم انسانی نفسیات پر مختلف وجوہات کی بناء پر منفی اثرات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ منفی اثرات نفسیاتی عارضوں کی صورت ظاہر ہوتے ہیں۔ منٹو ایک نفسیات دان کی مانند ان عارضوں کو اپنے کرداروں میں پیش کرتے ہیں۔ افسانہ "تقی کاتب" میں تقی کا باپ جنسی بے راہ روی کا شکار ہے۔ نفسیاتی جنسی مریض کی صورت اپنی بہو کو نہاتے دیکھ کر جنسی حظ اُٹھاتا ہے۔ افسانے کے آغاز میں تقی اپنے باپ کی دی ہوئی قربانیوں کا پرستار ہے کہ اس کے باپ نے اس کی خاطر دوسری شادی نہیں کی، لیکن اس افسانے میں منٹو اس کے پیچھے چھپے حقائق کو آشکار کرتے ہیں کہ معاشرہ، اس کی تخلیق کردہ اقدار کس قدر ظالم اور بے رحم ہیں۔ معاشرتی نگاہیں اور سوالیہ انگلیاں تقی کے باپ کو ساری عمر شادی جیسے بندھن میں بندھنے کی جرات نہیں کرنے دیتے۔ تقی کا باپ فطری ضرورت سے دور رہنے پر مجبور ہے۔ اپنی فطری خواہشات کو دبانے کے نفسیاتی اثرات اس صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اور اس کی جنسی آسودگی برداشت نہیں کر پاتا اور تقی کی شادی میں تاخیری حربے استعمال کرتا ہے۔ اس کے حیلوں بہانوں سے اس کی لاشعوری نفسیات واضح ہو جاتی ہے۔ منٹو لکھتے ہیں:

بیوی کی موت کے بعد ایک وقتی جذبہ تھا جس کے تحت مولانا نے تجرد کے دن گزارنے کا تہیہ کیا۔ جذبہ اپنی طبعی موت مرا تو آپ کے لیے دو سوگ بن گئے۔ ایک بیوی کی موت۔۔۔ دوسرا جذبے کی موت۔۔۔[14]

افسانہ "شاداں" میں ایک بوڑھا مرد دو بیٹیوں کا باپ ہے۔ جو جوان عمر میں قدم رکھ رہی ہیں۔ اپنی کم سن ملازمہ شاداں پر رات کے اندھیرے میں جنسی حملہ کرتا ہے۔ منٹو نے کمال جرات سے ایسے واقعات کو اپنے افسانوں میں سمویا جن سے معاشرہ نظریں چراتا ہے۔ ان کی موجودگی سے انکاری رہتا ہے۔ منٹو نے اس پر لکھنا ضروری خیال کیا کیونکہ معاشرے کے وہ زخم جن کا علاج نہ ہو سکے ناسور بن جایا کرتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال اور توجہ سے ہی ان کا علاج ممکن ہے، نہ کہ ان کو نظر انداز کر کے پس پشت ڈالنے سے ان کا کوئی حل نکل سکتا ہے۔

انسان بہت سے بہروپ لیے دنیا میں گھوم رہا ہے۔ کارل ژونگ کے بقول یہ بہروپ اس نے دنیا میں اپنی عزت و شان قائم رکھنے کی خاطر اوڑھ رکھے ہیں جبکہ اس کا ظاہر و باطن دو مختلف دنیائیں ہیں۔ فرد میں جو بظاہر دکھائی دیتا ہے اسی قدر مخالفت میں اس کا اندر اور باطن نشو نما پا رہا ہوتا ہے۔ لیکن فرد کسی مصلحت اور مجبوری کے تحت ظاہری روپ (پرسونا) اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ منٹو کا افسانہ "بدتمیز" ژونگ کے نظریہ پرسونا، فرائڈ کے نظریہ لاشعور اور دفاعی میکانیتی نظام کی بہترین عکاسی ہے۔ افسانے میں عزت جہاں اپنی سوسائٹی میں انقلابی خیالات رکھنے والی عورت جانی جاتی ہے۔ سوشلسٹ کہلاتی ہے، عورت اور مرد کے جنسی کردار پر اس کے ذہن میں بہت سے سوالات ہیں۔ بظاہر اسے جنس سے جڑے جذبوں سے نفرت ہے، لیکن جب راوی کے گھر سرہانے کا غلاف استعمال کرتی ہے تو عزت جہاں کی سوچ و شخصیت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ منٹو کے اس افسانے میں ظاہر و باطن کے تصادم کی خوبصورت تصویر کشی کی گئی ہے۔

ہجرت کے بعد منٹو کے جس افسانے نے بدنامی کے باعث خوب شہرت سمیٹی وہ "ٹھنڈا گوشت" ہے۔ افسانے میں فرائڈ کے نظریہ اڈ کی کارفرمائیاں پیش کی گئی ہیں کہ کس طرح اڈ کی طاقت ایشر سنگھ سے گھناؤنا عمل سرزد کرواتی ہے، مگر احساس جرم کے اثرات کے باعث وہ کلونت کور کے سامنے نامردی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نفسیاتی نامردی کے باعث وہ کلونت کور کی خواہش پوری کرنے سے قاصر ہے، جبکہ کلونت کور جبلت مرگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انتقاماً ایشر سنگھ کی جان لے لیتی ہے۔

ماہر تحلیل نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے جنسی نشوونما کے مدارج بیان کیے ہیں۔ ماہرین کے مطابق فرد کے آغاز بلوغت میں جس قدر ذہنی اور جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، مستقبل کی زندگی اور فرد کی شخصیت پر ان کے دیرپا اور مستقل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس درجے میں انسانی ذہن فطری تجسس کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ تجسس ہمیں منٹو کے ایک اور بدنام مگر مشہور افسانے "دھواں" میں ملتا ہے۔ مسعود ایک کم سن لڑکا جو جسمانی اور نفسیاتی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے۔ اسے اپنے اندر ہونے والی تبدیلیاں مسحور کن اور لذت انگیز محسوس ہوتی ہیں لیکن وہ ان کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسے قصائی کی دکان پر تازہ ذبح کیے گئے جانور کے گوشت سے اُٹھتا دھواں، پکتے ہوئے سالن سے نکلتا دھواں، دھند کے باعث لوگوں کے منہ سے خارج ہوتا دھواں دلچسپ محسوس ہوتا ہے۔ مسعود اپنے اندر ہلچل پیدا ہوتے دیکھتا ہے۔ منٹو نے دھوئیں کو مسعود میں بیدار ہوتی جنسی خواہشات کا علامتی اظہار بنایا ہے۔ مسعود کے ذہن میں اپنے احساسات کے متعلق سوالات ہیں لیکن اسے ان کے جوابات کہیں سے نہیں ملتے۔ منٹو لکھتے ہیں:

> کلثوم کے کولہوں پر گوشت زیادہ تھا۔ جب مسعود کا پاؤں اس حصے پر پڑا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اس بکرے کی گوشت کو دبا رہا ہے جو اس نے قصائی کی دکان میں چھو کر دیکھا تھا۔ اس احساس نے چند لمحات کے لیے اس کے دل و دماغ میں ایسے خیالات پیدا کر دیئے جن کا کوئی سر تھا نہ پیر۔۔ وہ ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔[15]

افسانے میں مسعود اور اس کی بہن کلثوم دونوں جنسی جذبات سے آشنائی حاصل کرنے کے مراحل میں ہیں۔ کلثوم اور اس کی سہیلی کو قریب دیکھ کر مسعود کچھ سمجھ نہیں پاتا۔ اس کو اپنے احساسات کے اظہار کا کوئی راستہ میسر نہ تھا۔ اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہوئی تو اس نے غیر شعوری طور پر اپنی جنسی جبلت کی طاقت کو ہاکی کھیل کر خرچ کرنے کی کوشش کی۔

مسعود کی طرح افسانہ "بلاؤز" کا مؤمن بھی دھندلے خیالات میں لپٹا ذہن لیے شکیلہ کی بغلوں کے کالے بال اور پھر اس کے بلاؤز میں کشش محسوس کرتا ہے۔

> ادھر ساٹن کا یہ بلاؤز سیا جا رہا تھا۔ ادھر مؤمن کے دماغ میں عجیب و غریب خیالوں کے ٹانکے اُدھڑ رہے تھے۔ جب اسے کمرے میں بلایا جاتا اور اس کی نگاہیں چمکیلی ساٹن کے بلاؤز پر پڑتیں تو اس کا جی چاہتا کہ وہ ہاتھ سے چھو کر ہی نہیں بلکہ اس کی ملائم اور روئیں دار سطح پر دیر تک ہاتھ پھیرتا رہے۔[16]

مؤمن کی حالت اسے پاپرستی یعنی فیٹیشزم کا شکار بھی ظاہر کرتی ہے کہ اسے اپنے محبوب کے اعضاء (بغلوں کے بال) اور اس کی چیزوں مثلاً بلاؤز میں جنسی کشش محسوس ہوتی ہے۔ جنسی بالیدگی کے ذہن پر اثرات مؤمن کو اس قدر متاثر کرتے ہیں کہ وہ خواب میں بھی بلاؤز پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اسے بلاؤز میں دھڑکن سی محسوس ہوتی ہے تو اس کے جسم میں لذت بھری ٹیس اُٹھتی ہے۔ دھواں اور بلاؤز بتدریج آغاز بلوغت اور عہد بلوغت کی نفسیات کو کھول کر پیش کرتے ہیں۔ منٹو نے کمال فنی مہارت سے افسانوی انداز میں انسانی زندگی کے ان اہم مدارج میں ہونے والی جسمانی، جنسی اور نفسیاتی تبدیلیوں کا تفصیلی اظہار کیا ہے اور ہر قاری جو ان ادوار سے گزر رہا ہو یا گزر چکا ہو ان کی اہمیت سے بخوبی واقف ہے۔

جنسی بیداری کے موضوع پر لکھا گیا ایک اور افسانہ "پھاہا" ہے۔ بملا کا اپنی فراک اُٹھا کر سینے کے اُبھاروں پر پھاہا رکھنے کا عمل اس کے ذہنی تجسس کی طرف اشارہ ہے کہ اسے اپنے بھائی کے پھوڑے کی طرح ان ابھاروں میں درد محسوس ہوتا ہے۔ جن کا علاج اسے پھاہا رکھنے میں سمجھ آیا۔

افسانہ "شوشو" جنسی جذبات کی اہمیت اُجاگر کرتی کہانی ہے۔ پندرہ سالہ سوشیلا اپنی سہیلیوں سے جیون ساتھی کی خصوصیات پر باتیں کرتی ہے۔ شادی اور شوہر اس کے پسندیدہ ترین موضوع ہیں۔ باتوں کے دوران وہ جذبات کی شدت میں اپنی سہیلی عفت کے ہونٹوں پر بوسہ ثبت کر دیتی ہے۔

> اگر وہ مجھے نظر آ جائے، یہ کہہ کر سوشیلا آگے بڑھی اور عفت کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی تو میں اس کے استقبال کے لیے بڑھوں اور اس کے ہونٹوں پر وہ بوسہ دوں جو ایک زمانے سے میرے ہونٹوں کے نیچے جل رہا ہے۔[17]

شوشو کے جذبات سے ظاہر ہے وہ جنسی نشو و نما کے آخری درجے کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہے۔ جہاں فرائڈ کے مطابق فرد شادی جیسے بندھن میں بندھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ شوشو کا لاشعور شدید جنسی جذبوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ جذبے اظہار مانگ رہے ہیں اور اظہار کی صورت اسے اپنی سہیلی عفت سے قربت میں میسر آئی۔ افسانے میں شوشو کا کردار جنسی انحراف کی مثال ہے۔ منٹو نے ایسے کئی کردار اپنے افسانوں میں پیش کیے جو جنسی تسکین کے لیے ان راہوں پر چل نکلتے ہیں جو مذہب اور معاشرے میں ممنوعہ خیال کیے جاتے ہیں۔ منٹو نے اپنی کہانیوں کے ذریعے اس انسان کی کھوج لگائی جو فطری جذبوں کی تسکین میں تخریبی کردار اپناتے ہیں۔ جبلت مرگ ان پر حاوی رہتی ہے مثلاً "قیمے

کی بجائے بوٹیاں" میں ڈاکٹر کا کردار اور "لیتیکارانی" کی لیتیکا جنسی تسکین کے لیے دوسروں کو تکلیف سے دوچار کرتے نہیں کتراتے۔ شدت اور تشدد کا راستہ اپنا لیتے ہیں۔

اسی طرح "رکما" بھی جنسی کجروی کا شکار ہے۔ سگمنڈ فرائڈ نے جنس پر جب اپنے شہرہ آفاق مضامین لکھے تو پہلے مضمون میں فرائیڈ نے لکھا کہ جنسی اظہار کے لیے جنسی اعضاء کی بجائے دیگر جسمانی اعضاء سے محبت بھی ہوسکتی ہے۔ ان اعضاء سے جنسی تسکین حاصل کی جاتی ہے۔ مثال میں فرائڈ نے بتایا کہ محبوب کے پاؤں بھی جنسی جاذبیت کی وجہ ہوسکتے ہیں۔ ادیبوں اور ناقدین نے اس کے نظریات پر کئی سوالات اُٹھائے۔ منٹو نے سگمنڈ فرائڈ کے جنسی نظریات میں وہ نظریات اپنے افسانوی کرداروں کی صورت ہمارے سامنے رکھے جن کا حقیقت سے گہرا تعلق ہے۔ فرائڈ کا دوسرا مضمون جنسی نشوونما کے مدارج پر بحث کرتا ہے اور آج بھی قابل ذکر ہے۔ منٹو کے افسانوی کردار بھی ہمیں ان مدارج کو طے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

فرائڈ کا تیسرا مضمون فرد کی جنسی تثبیت (fixation) کی بات کرتا ہے کہ کس طرح بچپن کے دور کی تثبیت بلوغت کے عہد کی جنسی نشوونما پر اثرانداز ہوتی ہے۔ افراد کن مختلف طریقوں سے جنسی تسکین کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس فطری جذبے کی تسکین کا ہر صورت مطالبہ دہرایا جاتا ہے۔ ان مضامین میں انسانی فطرت، جنس اور ان جنم لینے والے نفسیاتی عارضوں پر سیر حاصل بحث پیش کی گئی۔ فرائڈ کے نظریہ لاشعور کی مانند نظریہ جنس نے ادب، ثقافت اور نفسیات کے میدان میں اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ نظریات من وعن نہیں لیکن تمام تر حقیقتوں کے ساتھ ہمیں منٹو کے افسانوں میں ملتے ہیں۔

> سرکنڈوں کے پیچھے کی شاہینہ سادیت پسند (Sadism) ہے جو اپنے خاوند کو قتل کرنے کے بعد اپنے عاشق ہیبت خان پر بھی تیز چھری سے وار کرتی ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔
>
> فرش پر گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی ہیں اور ایک تیز چھری بھی پڑی ہے اور نواڑی پلنگ پر کوئی لیٹا ہے۔ جس پر خون آلود چادر پڑی ہے۔ بہت بھوک لگی ہو گی تمہیں سردار بڑا لذیذ گوشت بھون رہی ہے۔ اس کی بوٹیاں خود میں نے اپنے ہاتھوں سے کاٹی ہیں۔[18]

"قیمے کی بوٹیاں" میں ڈاکٹر سعید اور سلمیٰ دونوں جنسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہیں۔ لیتیکارانی کا خاوند کی موت سے پہلے ہی سیاہ ساڑھی سلوالینا، اپنے مفادات کی خاطر جنسی تعلق قائم کرنا اور پھر ختم کرنا، دوسروں کو اذیت دے کر ذہنی اور جنسی تسکین کا حصول اس کردار کو بھی سادیت پسند بناتا ہے۔ منٹو نے انسان کی جبلت تشدد یا جبلت مرگ کی حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اس کے مطابق جو افراد محرومی کا شکار ہوتے ہیں وہ انتقام کی طرف راغب رہتے ہیں۔ اس جبلت کا اظہار اجتماعی لاشعور کا حصہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان شروع سے ہی اپنے پیٹ کی بھوک پیاس کی خاطر اور کبھی جنس کی خاطر تشدد کی راہوں پر چلتا رہا ہے۔

نفسیاتی عارضوں کے موضوعات پر منٹو کے بہترین افسانوں میں ایک افسانہ "میرا نام رادھا ہے" شامل ہے۔ جس میں نیلم راج کشور کے لیے محبت کے احساسات رکھتی ہے لیکن راج کشور نے ایک بہروپ دنیا کے سامنے اوڑھ رکھا ہے۔ وہ ہر ہیروئن کو بہن کہہ کر پکارتا ہے، جبکہ نیلم کو اس کا یہ رویہ پسند نہیں آتا اور جس دن وہ اپنی بیوی کے ہمراہ نیلم کو راکھی باندھنے کی غرض سے اس کے گھر موجود ہوتا ہے، تو نیلم اس پر حملہ کرتی ہے، اس کا جسم نوچتی ہے، اس کے ہونٹوں پر بوسہ دے کر اپنے جذبات کے مجروح ہونے کا انتقام لیتی ہے۔ منٹو کے تمام سادیتی کردار ظلم و جبر کر کے اپنے جذبوں کی تسکین کا راستہ اپناتے ہیں۔ نفسیاتی خلل میں مبتلا تمام کردار ہمارے ہی معاشرے سے لیے گئے ہیں۔ جن کے وجود سے کوئی بھی ذی شعور اور ذی فہم انسان انکار نہیں کر سکتا۔

افسانہ "بو" کا رندھیر فطرت کے حسن سے ہم آغوش ہوتا ہے۔ گھاٹن لڑکی سے ملاقات، جنسی تجربہ، اس کے جسم کی بو اس کے لیے خوشبو کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ برستی بارش کی رات کا وہ تجربہ رندھیر کے ذہن پر مستقل اثرات ثبت کرتا ہے۔ ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا حتی کہ اپنی شادی کی پہلی رات وہ اپنی منکوحہ بیوی سے جنسی حظ اُٹھانے سے قاصر ہے۔ اسے حنا کی خوشبو میں رچی بسی خوبصورت بیوی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس وہ گھاٹن لڑکی کے خیالوں میں غرق نظر آتا ہے۔ وارث علوی نے بہت عمدگی سے افسانے میں ہونے والی نفسیاتی اور روحانی واردات کا بیان کیا:

> جس آدمی کو ایک بار فطرت جلا دیتی ہے، اس آدمی کی تسکین کے لیے کلف لگے تمدن کے پاس کوئی سامان نہیں ہوتا۔ ایک صوفی جب حقیقت کا عرفان حاصل کرتا ہے تو یہ دنیا اس کی نظر میں مایا کا ایک جال بن جاتی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اس کے دل میں خواہش پیدا نہیں کرتی وہ اس دنیا کے لیے نامرد ہو جاتا ہے، رندھیر بھی اپنے جنسی تجربہ کے بعد نامرد ہو جاتا ہے۔[19]

جنس کے بعد منٹو کے درجن بھر سے زیادہ افسانوں کا موضوع طوائف ہے۔ جن میں طوائف بطور پیشہ، اس کے معاشرتی و نفسیاتی محرکات اور طوائف کی نفسیاتی کیفیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ منٹو سے پہلے بھی طوائف ادیبوں کا موضوع تحریر رہا ہے۔ لیکن منٹو نے طوائف کو معاشرے کا ایک اہم حصہ جان کر اس کی حسرتوں، مسرتوں، مایوسیوں اور غموں کو بیان کیا۔ اس کے ذہن کی تہوں کو کھول کر دکھایا۔ اس کے درد و کرب، اس کی سوچ، زاویہ نظر اور نفسیات کا تجزیہ پیش کیا۔ شاردا، جانکی، ممی، کالی شلوار، زینت، شانتی، سوکینڈل کا پاور بلب، سراج، لائسنس، دس روپے قابل ذکر کہانیاں ہیں، جو طوائف کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ طوائف پر ہی بطور خاص منٹو نے کیوں لکھنا ضروری خیال کیا۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> حضرات یہ جسم فروشی بہت ضروری ہے۔ آپ شہر میں خوبصورت اور نفیس گاڑیاں دیکھتے ہیں۔ یہ خوبصورت اور نفیس گاڑیاں کوڑا کرکٹ اُٹھانے کے کام نہیں آسکتیں۔ گندگی اور غلاظت اُٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے اور گاڑیاں موجود ہیں۔ جنہیں آپ کم دیکھتے ہیں اور اگر دیکھتے ہیں تو فوراً اپنی ناک پر رومال رکھ لیتے ہیں۔ ان گاڑیوں کا وجود ضروری ہے اور ان عورتوں کا وجود بھی ضروری ہے جو آپ کی غلاظت اُٹھاتی ہیں۔ اگر یہ عورتیں نہ ہوتیں تو ہمارے سب گلی کوچے مردوں کی غلیظ حرکات سے بھرے ہوتے۔[20]

اپنی کہانیوں میں منٹو نے طوائف کو بطور عورت پیش کیا۔ جس کا لاشعور ممتا کے جذبے سے لبالب بھرا ہے۔ وہ عام عورت کی طرح چاہے جانے کی خواہش رکھتی ہے۔ منٹو کا کردار "ممی" چڈھ، رام سنگھ، غریب نواز، ڈولی، رنجیت سنگھ، فی لس سے محبت کرتا دکھایا گیا ہے۔ منٹو لکھتے ہیں:

> اس کے پہلو میں ایسا دل تھا جس میں سب کے لیے ممتا تھی۔ اس نے شفقت اور محبت کے لیے چند آدمی چن لیے تھے اور باقی ساری دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔[21]

ممی ایک نائکہ تھی۔ لیکن اس پر عظیم ماں کے آرکی ٹائپ کا گمان تب یقین میں بدل جاتا ہے جب وہ چڈھ کو جنسی تحریک کی ہر صورت تسکین سے منع کرتی ہے۔ اس کی سرکش قوتوں کے سامنے بند باندھتی ہے۔ ممی افسانہ کارل یونگ کے نظریہ اجتماعی لاشعور اور آرکی ٹائپ کا تشریحی بیان ہے۔ شہزاد احمد عورت کے جذبہ ممتا سے متعلق لکھتے ہیں:

عظیم ماں کا آرکی ٹائپ عورت کے اندر متوازی طور پر کام کرتا ہے، جس کے اندر یہ صورتحال پیدا ہو جائے وہ سمجھتی ہے کہ اسے لامتناہی محبت و فہم، مدد کرنے کی خاصیت اور تحفظ کی فراہمی ودیعت ہوئی ہے۔ وہ دوسروں کے لیے اپنے آپ کو ہلکان کر سکتی ہے۔[22]

لغوی اور اصطلاحی مفہوم کے مطابق ہر وہ عورت طوائف ہے جو روپے یا کسی فائدہ کے عوض اپنا جسم بیچتی ہے۔ عارضی طور پر خود کو مختلف مردوں کے حوالے کرتی ہے۔ جنسی تعلق قائم کرتی ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ طوائف جنسی جذبوں کی تسکین کا ایک ذریعہ ہے جو ہر معاشرے میں ممنوع خیال کیے جانے کے باوجود ہر معاشرے کے لیے اس کا وجود لازم و ملزوم ہے، کیونکہ جب معاشرہ جنس کے فطری جذبوں پر اخلاقیات کا بند باندھتا ہے تو جنس کا سرکش گھوڑا بے قابو ہو کر تسکین کی خاطر نا قابل قبول راستے بھی اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ طوائف بننا معاشرے کا ذلیل ترین پیشہ تصور کیا جاتا ہے۔ ہر معاشرہ اس کو ختم کرنے کے درپے رہتا ہے۔ زہریلا ناسور اور ناپسندیدہ سمجھتا ہے، لیکن اس کے محرکات کو سمجھنے اور ان کے سدباب سے قاصر ہے۔ عورت زیادہ تر پیٹ کی خاطر اس پیشے کو اختیار کرنے پر مجبور ہے لیکن طوائف بن کر بھی اس کے اندر اصلی اور فطری عورت جو ممتا کے جذبے سے مغلوب ہے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ افسانہ "جانکی" پر غور کریں تو وہ عزیز اور سعید سے جنسی تعلق کے باوجود ہر مشکل میں ہر حد تک ان کا خیال ایک ماں کی طرح رکھنے پر مجبور ہے۔ "ہتک" کی سوگندھی پر نظر ڈالیں تو منٹو نے اس کے نظریات کو بہت عمدگی سے ان سطور میں پیش کیا ہے:

کبھی کبھی جب پریم کرنے اور پریم کیے جانے کا جذبہ اس کے اندر شدت اختیار کر لیتا تو کئی بار اس کے جی میں آتا کہ اپنے پاس پڑے ہوئے آدمی کو گود میں لے کر تھپتھپانا شروع کر دے اور لوریاں دے کر اسے اپنی گود میں سلا دے۔[23]

اسی طرح افسانہ "شاردا" میں شاردا ایک بچی کی ماں ہے جو بیوی بن کے بھی جینا چاہتی ہے۔ وہ نذیر اور اس کے گھر کا خیال جس انداز سے کرتی ہے متاثر کن ہے۔ لیکن نذیر شاردا سے صرف جنسی جذبوں کے اظہار کے لیے قربت چاہتا ہے۔ شاردا میں بیوی بننے کی خواہش، عزت و تکریم کے ساتھ گھر کی ملکہ ہونے کا لاشعوری مطالبہ زور آور ہے۔ منٹو نے متذکرہ بالا افسانوں میں طوائف کی نفسیات کو بخوبی اور احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ "ہتک" کی سوگندھی سیٹھ کی "اونہہ" سے نفسیاتی طور پر زخمی ہو جاتی ہے۔ شاردا نذیر کی بے التفاتی سے آخر اس کا گھر چھوڑ جاتی ہے۔ دونوں افسانے طوائف میں اصلی عورت کی ذہنی کیفیات کی غمازی کر رہے ہیں۔ طوائف بننے کے دوران اور بعد میں عورت کی نفسیات، محرکات اور وجوہات پر منٹو تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کے مطابق عورت کی تنہائی، بے مقصدیت، عدم تحفظ اور بے وقعتی جیسے عوامل عورت کو اس پیشے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اس کو اختیار کرنے کے بعد اسے قربت، مقصد، محبت و تحفظ کا احساس میسر آتا ہے۔ عورت کا استحصال اور طوائف بننے کے بعد مزید استحصال منٹو کے قلم سے نکلے سوالیہ نشان ہیں۔ انہوں نے کہا تھا:

انسان ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں۔ جو غلطی ایک مرد کر سکتا ہے دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ جب ایک عورت بازار میں دکان لگا کر اپنا جسم بیچتی ہے تو دنیا کی سب عورتیں کر سکتی ہیں۔ لیکن غلط کار انسان نہیں وہ حالات ہیں جن کی کھیتیوں میں انسان اپنی غلطیاں پیدا کرتا ہے اور ان کی فصلیں کاٹتا ہے۔[24]

منٹو ایک ماہر نفسیات کی طرح ایک فطری انسان قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے ذہن و کردار کی تحلیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ منٹو فرائڈ کے نظریے کے مطابق انسان کو بطور تخریب کار دکھاتے ہیں اور ابراہم ماسلو کی طرح منٹو ہر انسان میں خیر کا پہلو بھی تلاش کر لیتے ہیں۔ منٹو کا انسان خیر و شر اور شعور و لاشعور کا مجموعہ ہے۔ انسان جیسا ہے ویسا ہی منٹو نے اسے اپنے افسانوں میں پیش کیا۔ انسان کی داخلیت اور خارجیت کو منٹو بنا تجزیہ، بنا کسی پردے کے پیش کرتے ہیں۔ انسانی جبلتوں کی موجودگی اور اس کے اظہار کے انداز اپنے کرداروں کے ذریعے

قاری کے سامنے رکھتے ہیں۔ غرض انسانی نفسیات کی انفرادی اور اجتماعی عمارت کی تعمیر و تخریب کا خوبصورت بیان ہمیں منٹو کی افسانوی کہانیوں کی صورت میسر آیا ہے۔

**حوالہ جات:**


1 دانش علی، ترتیب و تدوین، **نامور منٹو**، (لاہور: بک ایچ پبلکیشنز، 2016ء)، ص 47-

2 شمیم حنفی، **کہانی کے پانچ رنگ**، (لاہور: نگارشات، 1986ء)، ص 47-

3 دانش علی، ترتیب و تدوین، **منٹو کا انکار**، (لاہور: بک ایچ پبلیکیشنز 2016ء)، ص 100-

4 ایس اشرف الدین، **سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں سماجی اور نفسیاتی حقائق**، (پٹنہ انڈیا: صائمہ پبلیکیشنز، 2021ء)، ص 13-

5 دانش علی، ترتیب و تدوین، **منٹو کا انکار**، (لاہور: بک ایچ پبلیکیشنز 2016ء)، ص 80-

6 ایضاً، ص 81-

7 سعادت حسن منٹو، **ٹیڑھی لکیر** "منٹو کے افسانے "مشمولہ منٹو راما"، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2019ء)، ص 732-

8 ایضاً، ص 728-

9 ایضاً، ص 734-

10 سعادت حسن منٹو، **پانچ دن** "چغد "مشمولہ منٹو نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز)، ص 342-

11 **ممتاز شیریں، منٹو نوری نہ ناری**، (کراچی: شہر زاد پبلیکیشنز)، ص 352-

12 سعادت حسن منٹو، **مس فریا** "افسانے اور ڈرامے "مشمولہ منٹو کہانیاں"، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز)، ص 247-

13 سعادت حسن منٹو، **تقی کاتب**، "بادشاہت کا خاتمہ "منٹو کہانیاں، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز 2020ء)، ص 138-

14 سعادت حسن منٹو، **دھواں**، "لذت سنگ "منٹو نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2014ء)، ص 653-

15 سعادت حسن منٹو، **بلاؤز**، "منٹو کے افسانے "منٹو راما، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2019ء)، ص 819-

16 سعادت حسن منٹو، **شوشو**، "منٹو کے افسانے "منٹو راما، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2019ء)، ص 756-

17 سعادت حسن منٹو، **سرکنڈوں کے پیچھے**، منٹو نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2014ء)، ص 55-

18 وارث علوی، **"منٹو ایک مطالعہ"**، (نئی دہلی: وجے پبلشرز 1997ء)، ص 167-

19 مشمولہ منٹو نما، لاہور: ص 2014629 سنگ میل پبلی کیشنز **"منٹو کے مضامین"**

20 سعادت حسن منٹو، **عصمت فروشی**، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2014ء)۔

21 سعادت حسن منٹو، **ممی** "یزید "مشمولہ منٹو نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلکیشنز، 2014ء)، ص 202-

22 شہزاد احمد، **"ژونگ نفسیات اور مخفی علوم"**

23 سعادت حسن منٹو، **پتنگ** "منٹو کے افسانے "مشمولہ منٹو راما، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2019ء)، ص 901-

24 سعادت حسن منٹو، **افسانہ نگار اور جنسی مسائل** "لذت سنگ "مشمولہ منٹو نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2014ء)، ص 687-